تحقیقی مجلہ ارمغانِ سرحد
جلد ۱، شمارہ ۱، جنوری تا جون ۲۰۲۴ء (Vol:1, Issue:1, 2024) (Research Journal: Armaghan-e-Sarhad)
شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

حنیف اسعدی بحیثیت نقاد

Haneef Asadi as a Critic

عزیز فاطمہ
ایم فل اُردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد
مبشرہ فریاد
کوآرڈینیٹر، قرطاس ادیبوں کا اشاعتی ادارہ، فیصل آباد

Aziz Fatima
M Phil Urdu Scholar, Riphah International University, Faisalabad

Mubashara Faryad
Coordinator, Qartas Institution of Publication for Writers, Faisalabad

Abstract:

This article presents a critical overview of the life, intellectual background, and poetic contribution of Haneef Ahmad Asadi, widely known in literary circles as Haneef Asadi. Born in 1919 in Shahjahanpur, India, and later settled in Karachi after the creation of Pakistan, Asadi was nurtured in a deeply religious and literary environment that shaped his personality and creative vision. Educated at Aligarh University, he balanced professional life with literary pursuits, remaining actively engaged in poetry alongside his service career. After performing Hajj, he devoted himself entirely to Hamd and Naat, reflecting a conscious spiritual transformation in his creative journey. His Naatia poetry is marked by profound love for the Prophet Muhammad (PBUH), sincerity of devotion, emotional depth, and refined artistic expression. His two celebrated Naat collections, Zikr-e-Khair-ul-Anam and Aap ﷺ, hold a significant place in Urdu Naat literature. The article also situates Asadi's work within the broader framework of literary criticism, emphasizing how critical analysis seeks to understand the essence of creative literature by examining both artistic form and

underlying principles. Through an analytical reading of Asadi's poetry, the study highlights his lasting contribution to Urdu devotional poetry and his distinguished position among leading Naat poets of his time.

Keywords: Haneef Asadi, Urdu Naat Literature, Devotional Poetry, Love for the Prophet (PBUH), Literary Criticism

حنیف احمد اسعدی، جو ادبی دنیا میں حنیف اسعدی کے نام سے معروف ہیں، یکم جنوری 1919ء کو شاہ جہاں پور، اتر پردیش (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کراچی میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کے والد، محمد صدیق حسن اسعدی شاہ جہاں پوری، اپنے عہد کے ممتاز صاحبِ دیوان شاعر تھے اور اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ گھر کا مذہبی اور ادبی ماحول حنیف اسعدی کی شخصیت اور فکری تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

حنیف اسعدی نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ مسلم لیگ سے وابستگی کے باعث 1947ء میں وہ اپنے والد اور اہلِ خانہ کے ہمراہ پاکستان ہجرت کر آئے۔ کراچی میں قیام کے بعد انہوں نے پاکستان نیوی میں سویلین ملازمت اختیار کی اور اسی ادارے سے سبکدوش ہوئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ وہ ہومیوپیتھی کے شعبے سے بھی وابستہ رہے اور ایک ذاتی کلینک قائم کیا، جو خدمتِ انسانیت کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی نشستوں کا مرکز بھی رہا۔ 1950ء میں ان کی شادی ہوئی۔ ازدواجی زندگی خوشگوار اور مثالی رہی، جس کے اثرات اولاد کی تعلیم و تربیت میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں دو بیٹے اور چار بیٹیاں عطا ہوئیں، جو سب تعلیم یافتہ اور اخلاقی اقدار کی حامل ہیں۔ شاعری سے شغف انہیں وراثت میں ملا۔ انہوں نے زمانۂ طالب علمی ہی سے مشاعروں میں شرکت شروع کر دی تھی۔ ابتدا میں غزل، نظم اور دیگر اصناف میں طبع آزمائی کی، مگر حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنی شاعری کو مکمل طور پر حمد و نعت تک محدود کر لیا۔ ان کی نعتیہ شاعری عشقِ رسولؐ، خلوصِ عقیدت اور فنی پختگی کا حسین امتزاج ہے۔

حنیف اسعدی کے دو نعتیہ مجموعے، **"ذکرِ خیر الانام"** (1984ء) اور **"آپؐ"**، اردو نعتیہ ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا کلام فکری وقار، اسلوبی سلاست اور جذبۂ محبتِ رسولؐ کی وجہ سے انہیں اپنے عہد کے صفِ اول کے نعت گو شعرا میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

ادبی تخلیقات کا مطالعہ کرنے والا ہر نقاد، فن پاروں کے ذریعے تخلیقی ادب کی اصل روح تک رسائی کی کوشش کرتا ہے۔ تنقید کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ یہ جانا جائے کہ ادب کی حقیقت کیا ہے۔ چونکہ نقاد کا کام تجزیہ پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے وہ ادب کی ماہیت سمجھنے کے لیے مختلف علوم کی مدد لیتا ہے۔ وہ محض فن پارے کا محاکمہ نہیں کرتا بلکہ تخلیقی ادب کے اصول و ضوابط بھی دریافت کرتا ہے۔

تنقید کے عمل سے فن میں نکھار آتا ہے اور فنکار کو رہنمائی و اصلاح میسر آتی ہے۔ نقاد اپنے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں فنکار کے اندر تخلیقی شعور کو مضبوط بناتا ہے۔ ایک لحاظ سے نقاد خود بھی تخلیق کار ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تنقید اپنے تجزیے سے حاصل

ہونے والے تاثرات اور تجربات کے ذریعے اہلِ ذوق کو لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ نقد و جرح کے دوران وہ صرف محاسن و معائب بیان نہیں کرتا بلکہ فن پارے کی معنویت بھی واضح کرتا ہے۔

حنیف اسعدی نہ صرف ایک صاحبِ طرز شاعر تھے بلکہ اعلیٰ پایے کے نقاد بھی تھے۔ بطور شاعر و نقاد وہ علمی و ادبی حلقوں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے متعدد شعرا کی تصانیف پر تبصرے تحریر کیے—کچھ مختصر مگر جامع اور کچھ تفصیلی مگر پُر مغز۔ شاعرانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اُن کی تنقید بھی اردو ادب کا ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ نعت کا بنیادی موضوع حضور نبی کریم ﷺ کی عظیم، باصفات ذات ہے، اور چونکہ حنیف اسعدی کی توجہ کا مرکز زیادہ تر نعت رہی، لہٰذا انہوں نے زیادہ تر نعتیہ مجموعوں پر ہی تبصرے کیے۔ کچھ کتب پر حمدیہ کلام کے حوالے سے بھی اظہارِ خیال کیا، مگر ان کی اکثریت نعت سے متعلق تھی۔

جو کچھ بھی انہوں نے لکھا، اس میں تنقید اور نثر کی تمام خوبیاں جھلکتی ہیں۔ حنیف اسعدی ایک باوقار اور سنجیدہ شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی زبان سادہ، شستہ اور رواں تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں دل نشینی اور اثر انگیزی کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ انہوں نے جن کتابوں پر بھی تبصرے کیے، ہمیشہ حق گوئی اور دیانت کو بنیاد بنایا۔ وہ نہ ضرورت سے زیادہ تعریف کرتے تھے اور نہ غیر ضروری تنقید، بلکہ اصولی اور معیاری رائے پیش کرتے تھے، جو بلاشبہ اردو ادب کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔

نُزول: شفیق الدین شارق

شفیق الدین شارق ایک کہنہ مشق شاعر اور باصلاحیت ادیب ہیں، جنہوں نے شاعری کی تقریباً ہر صنف میں نہ صرف اپنی صلاحیت کا امتحان لیا بلکہ ہر میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان کی شاعری میں محض لفظوں کی بازیگری نہیں بلکہ فکر و جذبات کی گہرائی، عشق و عقیدت کی پختگی اور احساسِ جمال کی لطافت بھی جھلکتی ہے۔ شاعری کے علاوہ، انہوں نے نثر، تنقید اور مضمون نویسی میں بھی اپنی علمی اور ادبی مہارت کا لوہا منوایا، جس سے ان کی ہمہ جہت ادبی شخصیت مزید ابھرتی ہے۔

اسعدی نے ان کی کتاب "**نزول** " پر ایک مختصر مگر جامع تبصرہ تحریر کیا، جس میں نہ صرف کتاب کے مندرجات کی خوبصورتی اور فنی باریکیوں کو اجاگر کیا گیا، بلکہ شاعر کی ہمہ جہت صلاحیت اور علمی گہرائی کا بھی شاندار تذکرہ کیا گیا۔ بلاشبہ ایک نکتہ بین اور منجھے ہوئے نقاد کی حیثیت سے اسعدی صاحب نے حقِ نقد ادا کرتے ہوئے کتاب کے ہر پہلو کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور اسے نہایت اختصار اور فصاحت کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کیا۔

یہ تبصرہ نہ صرف شاعر اور کتاب کی قدر بڑھاتا ہے بلکہ قاری کو بھی ان کی فنی مہارت، علمی بصیرت اور ادبی وسعت کا بھرپور ادراک دلاتا ہے، جو کہ اردو ادب کے لیے ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

> ”نزول“ شفیق الدین شارق مرحوم کا مجموعہ کلام ہے۔ کتاب میں حمدیں بھی ہیں، نعتیں بھی ہیں، رباعیات بھی ہیں، نظمیں بھی ہیں اور ہائیکو بھی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شارق صاحب پر مصنف سخن پر دستگاہ رکھتے تھے وہ صرف ایک قادر الکلام شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک اچھے شفیق نگار بھی تھے انہوں نے زندگی بھر لکھا اور اپنے پیچھے مضامین کا ایک بڑا

ذخیرہ چھوڑا زیرِ کتاب ان کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کے عقیدہ اور عقیدت کی وضاحت کرتی ہے۔ ان کے عقیدے اور شارق صاحب ایک طرف تو مذہب سے گہرا تعلق رکھنے کی وجہ سے اللہ و رسولؐ کے احکامات پر عمل کرنے والے بزرگ تھے اور دوسری طرف ادب سے گہری دلچسپی کے سبب ان کے قلم ہمہ رنگ اور ہمہ جہت خصوصیات ان کے کلام میں جوش واضح اشارے بھی ملتے تھے۔ شارق مرحوم کا یہ چھوٹا سا مجموعہ کلام اپنے اندر بہت وسعت اور گہرائی رکھتا ہے۔ ان کا ایک ایک شعر عشق کی پختگی اور عقیدت کی جدت سے بہرہ ور رہے یہی وجہ ہے ان کے نعتیہ کلام میں بلا کی تاثیر ہے۔"(۱)

اللہ اکبر: گہر اعظمی

حنیف اسعدی نے نہ صرف نعتیہ شاعری بلکہ حمدیہ کلام پر بھی غور و فکر اور تبصرہ نگاری کی اہم خدمات انجام دیں۔ گہر اعظمی کی حمدیہ کتاب **"اللہ اکبر "** پر آپ کا تبصرہ ایک اعلیٰ فنی مہارت اور علمی بصیرت کی عکاسی کرتا ہے، جو واقعی قابلِ داد و تحسین ہے۔ بلاشبہ اسعدی صاحب کتاب کے ہر پہلو کو نہایت دقت اور گہرائی سے پرکھتے ہیں، اور پھر اپنے تجزیے کو نہایت معیاری انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں، جس سے کتاب کی فنی و ادبی قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

تبصرے کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

"اللہ اکبر اللہ بڑا ہے۔ اللہ کی بڑائی کا اندازہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ انسان تو اللہ کی کائنات بلکہ کائناتوں کا شعور نہیں رکھتا۔ وہ صرف اتنا جانتا جتنا مالک حقیقی نے انہیں تعلیم کیا ایسی صورت میں شاعر کی کیا بساط بزرگ کہ وہ خدائے برتر کی حمد ثنا کا حق ادا کر سکے ہاں مگر یہ کہ وہ اپنے مالک و خالق کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی کوشش کر سکے اس نوع کی ایک کوشش گہر اعظمی نے اللہ اکبر لکھ کر کی ہے۔ یہ مجموعہ تمام کمال حمدیہ شعری پر مشتمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ گہر اعظمی نے اپنی شاعری کو حمد و نعت میں تک محضوص کرر کھاہے۔ اس طرح ان کے شمار شعرائے کرام کی صف میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ جن کے لئے الشعراء تلامیذ الرحمن کہا جاتا ہے۔"(۲)

اسعدی صاحب نے نہایت خوبصورت اور پُر اثر انداز بیان میں کتاب اور اس کے مصنف کے متعلق تحریر کیا اور کتاب کے ہر پہلو کو نہایت باریک بینی سے اجاگر کیا، چاہے وہ مثبت پہلو ہوں یا منفی۔ انہوں نے نہ صرف مضامین اور موضوعات پر غور کیا بلکہ کتاب کے بحور، قافیہ اور ردیف کی باریکیوں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ کتاب کی ادبی قیمت، اس کے فنی معیار اور اشاعت کے پہلوؤں پر بھی ان کی

رائے شفاف اور مستند ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا فریضہ بذاتِ خود مصنف نے سنبھالا اور اسے نہایت ذمہ داری اور کمال کے ساتھ مکمل کیا، جو مصنف کی علمی اور ادبی بصیرت کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

ذکر خیر الانام ارفع: مبارک مونگیری

مبارک مونگیری اردو ادب کے نامور شعراء میں سے ایک ہیں، جنہوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعے نہ صرف مذہبی عقیدت کا اظہار کیا بلکہ بیسویں صدی کے ادبی رجحانات اور فکری رنگوں کو بھی بخوبی اپنے کلام میں سمونے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے کلام میں ایک عجیب و غریب پر سکون سرشاری، بے ساختگی اور روحانی وارفتگی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے، جو قاری کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ ان کی زبان و بیان پر گرفت اتنی مضبوط اور پختہ تھی کہ ہر شعر میں نغز معنویت اور فنی جمالیات کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے، اور کلام کو بے عیب اور دلکش بنا دیتا ہے۔

جناب حنیف اسعدی صاحب نے مبارک مونگیری کے نعتیہ مجموعے پر نہایت جامع اور باریک بین تنقید پیش کی، جو نہ صرف تعارفی اور وضاحتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ کتاب کے مثبت و منفی ہر زاویے کو بھی واضح کرتی ہے۔ اس تنقید میں قاری کے لیے کلام کی فنی مہارت، شعری لطافت اور معنوی گہرائی کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں، اور اس سے نہ صرف کتاب کی ادبی قدر و قیمت بڑھتی ہے بلکہ شاعر کی عظمت اور فنکارانہ قابلیت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ تبصرہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسعدی صاحب نہ صرف ایک نقاد بلکہ ایک باریک بین اور باکمال ادیب بھی ہیں، جو کسی بھی ادبی تخلیق کے حسن اور کمزوری دونوں کو نہایت شفافیت اور انصاف کے ساتھ اجاگر کر سکتے ہیں۔ اس طرح مبارک مونگیری کے کلام کی تاثیر اور اہمیت اردو ادب میں مزید عیاں ہوتی ہے اور قاری کو روحانی اور ادبی لطف کے ساتھ ساتھ علمی بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی رائے کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> ”مبارک مونگیری کا مجموعہ نعت ذکر خیر الانام ارفع کے خوبصورت نام کے ساتھ ۱۹۹۴ء میں شناخت اشاعت پذیر ہوا۔ مبارک مونگیری ان شعراء میں سے تھے جنہوں نے زندگی بھر جم کر شاعری اور تقریباً ہر مصنف سخن میں طبع آزمائی کی عمر بھر کی مشق و منبراوت کے بعد اور غزل پر قدرت حاصل ہونے کے بعد ان کی نعت گوئی حسن بیان اور قدرت بیان دونوں اعتبار سے معیار فن پر پورا اترتی ہے۔ پھر غزل سے کہیں زیادہ تاثر نعت میں پایا جاتا ہے۔ لابدی ہے اس لئے کہ عشق مجازی سے کہیں زیادہ عشق حقیقی ہے اور یہ عشق حقیقی حمد کی طرح نعت کا بھی حصہ ہے۔ نعت روایتی طور پر نہیں کہی جاسکتی اور اگر اسی طرح کسی نے کہی بھی ہے تو وہ جذبے سے خالی ہو کر صرف قافیہ پیمائی ہو کر رہ گئی ہے مبارک مونگیری کی حمد، نعت گوئی کا سب سے بڑا وصف حب محمدی میں ڈوبی ہوئی سرشاری ہے جو ان کے ایک ایک مصرعے سے پھوٹتی ہے۔ ان کی نعت میں آیات قرآنی کو بڑے سلیقے

سے برتا گیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے سچ کہا کہ مبارک مونگیری کا رنگ سخن تو قدیم ہے مگر موضوع سخن اس لحاظ سے جدید ہے کہ وہ قوم و ملت کے مسائل کو بھی نعت کا حصہ بنا دیتے ہیں اور حضورؐ کی تعلیمات میں سے ان مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں۔ وزن اور بحر کی پابندی کے لحاظ سے شاعر نے تلفظ کا خیال نہیں رکھا اور اپنی ضرورت کے مطابق الفاظ کو توڑ موڑ کر لکھ لیا ہے جبکہ اس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔"(۳)

نعت کا دریا: شمیم متھراوی

اسعدی صاحب نہ صرف ایک ماہر اور پختہ شاعر ہیں بلکہ ایک باریک بین اور بصیرت افروز تنقید نگار کے طور پر بھی اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تنقیدی بصیرت اور ادبی فہم اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ کسی بھی ادبی تخلیق کے ہر پہلو کو نہایت باریکی سے پرکھ سکتے ہیں، چاہے وہ مثبت ہو یا منفی۔ اسی صفت کا مظاہرہ انہوں نے شاعر شمیم متھراوی کی نعتیہ کتاب "**نعت کا دریا**" پر بھی کیا۔ اگرچہ یہ کتاب حجم میں مختصر ہے، مگر اس کے باوجود اسعدی صاحب نے نہایت مہارت کے ساتھ اس کے مفہوم، جذبات اور فنی پہلوؤں کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔

انہوں نے نہ صرف کتاب کے موضوع اور کلام کی معنویت کی عکاسی کی، بلکہ شاعر کے اندازِ بیان، نثری و شعری سلاست، اور نعت کے مخصوص جذبات و احساسات کو بھی اجاگر کیا۔ اس کا اندازِ بیان مختصر سہی، مگر جامع اور بھرپور تھا، جس سے قاری کتاب کی فنی اور ادبی خوبیوں کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس نوع کی تنقید اس بات کی دلیل ہے کہ اسعدی صاحب نہ صرف ایک ناقد ہیں بلکہ ایک استادِ فن بھی ہیں، جو قاری کو نہ صرف کتاب سے روشناس کراتے ہیں بلکہ شاعر کی فنی مہارت اور تخلیقی قابلیت کی قدر و قیمت بھی اجاگر کرتے ہیں۔

یہ مختصر مگر جامع تنقید اس بات کا عکاس ہے کہ کسی بھی ادبی تخلیق کو سمجھنے اور اس کی باریکیاں بیان کرنے کے لیے اسعدی صاحب کی بصیرت، تجربہ اور علمی مہارت بے مثال ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں اردو ادب کے تنقیدی منظرنامے میں ہمیشہ ایک معیار اور رہنمائی کا سبب بنتی ہیں۔

"شاعری میں شعریت کی کمی بیشی تو ممکن ہے لیکن آقائے نامدار کے گرویدہ شعرائے کرام کی عقیدت مندی پر شک وشبہ سے پاک ہے۔ شمیم متھراوی کی کتاب نعت کی دریا ان دنوں میرے زیر مطالعہ رہی اور اس میں یہ ہی محسوس کیا کہ ان کی پختہ کلامی اور سادہ نگاری کے وصف سے کہیں زیادہ ان کی عقیدت کی لہر ان کے کلام میں نظر آتی ہے۔ شمیم متھراوی سیماب اکبر آبادی کے حلقے سے تعلق رکھتے ہیں ان کے استاد صبا متھراوی سیماب صاحب کے چہیتے شاگردوں میں سے تھے۔ اس لیے شمیم متھراوی کے یہاں زبان کی صحت وصفائی لہجے کی بے ساختگی اور بیان میں روانی کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ لیکن

حیرت کی بات ہے کہ شمیم متھراوی جیسے محتاط شاعر کو یہ کیا سوجھی کہ صرف مشاق کے اظہار اور زور کلام کی نمائش کی خاطر انہوں نے ایسے اشعار بھی کہہ ڈالے اور پھر انہیں شریک دیوان بھی کر لیا جو غیر مانوس الفاظ کے ذخیرے کو قافیہ پیمائی کی نذر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔"(۴)

رشکِ بشر: تمثیل جاوید

جناب تمثیل جاوید ادب سے گہرا لگاؤ رکھنے والے ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ محض شاعر ہی نہیں بلکہ ایک باکمال نثر نگار بھی ہیں، جنہوں نے انشاء پردازی، افسانہ نگاری، نظم نگاری اور غزل سمیت تقریباً ہر ادبی صنف میں اپنی تخلیقی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ تاہم، ان کی پہچان بنیادی طور پر ان کی نعت اور حمد پر مبنی شاعری ہے، جو عشقِ حقیقی اور عشقِ محمدی ﷺ کے جذبات سے لبریز ہے۔ ان کے کلام میں روایتی رسمی الفاظ کی باریکی یا زرق برق نہیں، بلکہ سچائی، خلوص، عقیدت اور محبت کی گہرائی نمایاں ہے، جو ہر پڑھنے والے کے دل کو روحانی سکون اور احساسِ محبت عطا کرتی ہے۔

جناب اسعدی صاحب نے تمثیل جاوید کی کتاب **"رشکِ بشر "** پر تنقید کرتے ہوئے مختصر مگر نہایت جامع اور پُر اثر انداز اختیار کیا۔ انہوں نے نہ صرف کتاب کے ہر پہلو، خواہ وہ فنی ہو یا معنوی، مثبت ہو یا منفی، کی باریکیوں کو واضح کیا بلکہ قاری کو کتاب کے حسن، شاعر کے جذبات، اور تخلیقی مہارت سے بھی روشناس کرایا۔ اس اندازِ بیان میں جامعیت، شفافیت اور فصاحت کی تمام خصوصیات موجود ہیں، جو اسعدی صاحب کی تنقیدی بصیرت اور ادبی مہارت کی بہترین مثال ہیں۔

اس طرح، تمثیل جاوید کی کتاب اور ان کی شاعری کی اہمیت نہ صرف اسلوب اور فنی معیار کے لحاظ سے اجاگر ہوتی ہے بلکہ قاری کے دل و دماغ پر بھی دیرپا اثر چھوڑتی ہے۔ اسعدی صاحب کی یہ مختصر مگر جامع تنقید اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہ صرف ایک باکمال نقاد ہیں بلکہ ایک عمیق ادیب بھی ہیں، جو کسی بھی ادبی تخلیق کے حسن اور کمالات کو نہایت شفاف اور باوقار انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تبصرہ ملاحظہ ہو:

"تمثیل جاوید کی نعتیہ کتاب کا نام رشکِ بشر ہے سب سے پہلے مجھے اس کے نام نے متوجہ کیا جو اپنی معنویت کے لحاظ سے حد درجہ دلکش اور دل پذیر نظر آتا ہے۔ نعتیہ شاعری کے دو اہم ستون ہیں جوشِ عقیدت اور شعری معیار اس اعتبار سے اگر تمثیل جاوید کے کلام کو دیکھا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا کلام پختہ اور عقیدت پختہ تر ہے۔ نہ ان کی شاعری رواداری کی شاعری ہے نہ ان کی عقیدت رسمی روایتی ہے۔ حضورؐ سے ان کی قلبی وابستگی ان کے ایک ایک شعر سے مترشح ہے۔ ان کا کلام وارداتِ قلبی کا نمونہ اور ان کا کلام اپنے آقاؐ سے محوِ کلام ہونے کی سرشاری ہے۔ ان کی نعتوں میں ایک نوع کا والہانہ پن ہے جو بغیر حُبِ نبی سے ممکن نہیں۔ تمثیل جاوید ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں اور ادب سے گہرا

تعلق رکھتے ہیں ان کی طبع نظم اور نثر دونوں اصناف پر حاوی ہے۔ وہ انشاپرداز بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی اور حمد اور نعت نگار بھی۔ دین و دنیا کے معاملات میں ایسا توازن کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔"(۵)

انوارِ حرا: تنویر پھول

تنویر پھول ایک باصلاحیت شاعر ہیں جنہوں نے حمد، نعت، منقبت اور دیگر شعری اصناف میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا اور ہر میدان میں کامیابی حاصل کی۔ ان کا کلام زبان کی سادگی اور روانی کی بدولت اپنے مثال کا حامل ہے، جو قاری کے دل و دماغ پر براہِ راست اثر ڈالتی ہے۔ وہ فطری شاعر محض نہیں ہیں، بلکہ ان کی محبتِ محمدی ﷺ اور عقیدت نے انہیں حقیقی شاعر بنایا۔
جناب اسعدی صاحب نے تنویر پھول کی کتاب **"انوارِ حرا "** پر اپنا مختصر مگر جامع تبصرہ تحریر کیا، جس میں انہوں نے کتاب کے ہر پہلو کو نہایت مہارت اور شفافیت کے ساتھ اجاگر کیا۔ اس مختصر تنقید میں نہ صرف کلام کی فنی خوبیوں اور معنوی گہرائی کا بیان ہے بلکہ شاعر کی تخلیقی قابلیت اور عقیدت پر مبنی احساسات کی عکاسی بھی شامل ہے۔ اقتباس دیکھیے:

"تنویر پھول کا یہ مجموعہ کلام اپنے کلام کے اندر حمد و نعت و منقبت پر مشتمل ہے جسے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کر کے مکمل کیا گیا ہے۔ تنویر پھول کے دینی شغف کے ان کے کلام کو دقیع بنا دیا ہے۔ ان کا کلام سادہ ہے اور زبان و بیان اور فنی پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ تنویر پھول اللہ کی اطاعت، حضور اقدس ؐ کی غلامی اور اہلِ بیت اور صحابہ کرام سے محبت کے قائل اور عامل ہیں اور محبت کے آدمی ہیں۔ کتاب میں کتابت کی بہت ساری غلطیاں ہیں جس کے لئے غلط نامہ شائع کرنے کی ضرورت پڑ گئی کیا اچھا ہوتا اگر پروف ریڈنگ توجہ کے ساتھ کر لی جاتی"(۶)

نورِ حق: علیم النساء ثنا

حنیف اسعدی نے بہت کم مستورات کے کلام پر تبصرہ کیا ہے، مگر علیم النساء، جناب گہر اعظمی کی زوجہ، کے کلام پر ان کی رائے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ اس لیے بھی قابل ذکر ہے کیونکہ گہر اعظمی خود اسعدی کے رفیقِ خاص رہ چکے ہیں، اور اسعدی صاحب نے اس سے قبل بھی گہر اعظمی کے دو مجموعہ کلام پر اپنے تحقیقی اور ادبی تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ شریکِ حیات ہونے کے ناتے دونوں میں ایک اور نمایاں مشترکہ وصف بھی موجود تھا، اور وہ یہ کہ دونوں قرآن فہم اور دینی بصیرت کے حامل تھے۔ اس بصیرت نے نہ صرف ان کے کلام کو علمی و فکری گہرائی عطا کی بلکہ اسے ایک تبلیغی پیغام کا حامل بھی بنایا۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ علیم النساء کا کلام محض ادبی اظہار نہیں بلکہ عقیدت، فکر اور روحانی شعور سے لبریز ہے۔ حنیف اسعدی نے اس کلام کی تمام جہتوں، اس کے فنی معیار، معنوی باریکیوں اور جذباتی اثرات کو نہایت باریکی سے پرکھا اور قارئین

کے لیے واضح کیا۔ اس تنقید سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ اسعدی صاحب نہ صرف ایک ماہر نقاد ہیں بلکہ ایک عمیق ادیب بھی ہیں، جو ہر تخلیق کی علمی، فنی اور روحانی اہمیت کو اجاگر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یوں علیم النساء کا کلام قارئین کے لیے ایک ادبی اور روحانی تجربہ بن کر ابھرتا ہے، اور اسعدی صاحب کی تنقید اسے حقیقی معنوں میں سمجھنے اور محسوس کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ تبصرہ ملاحظہ ہو:

> "علیم النساء ثنا کے مجموعہ کلام کے نام نور حق ہے۔ علیم النساء خود یاک اچھی شاعرہ ہیں اور ایک اچھے شاعر گہر اعظمی کی شریکِ حیات بھی۔ نور علی نور۔ علیم النساء اور ان کے شوہر گہر اعظمی میں اس ہم آہنگی کے علاوہ ایک اور نمایاں قدر مشترک ہے کہ دونوں کو قرآن سے گہری وابستگی ہے اور قرآن فہمی کی سعادت حاصل ہے جسکا فرق دونوں کے کلام پر صاف نظر آتا ہے۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو کیا ہے حمد کے علاوہ چند نظمیں اور چند نعتیں اور کچھ قطعات کتاب کی زینت ہیں۔
>
> ثنا کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کے ذریعہ انسان میں اعلیٰ اوصاف پیدا کرنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ ان تجربات ومشاہدات کو جن کی اساس اعلیٰ اقدار پر استوار ہے عام کرنے کی خواہشمند ہیں مختصر یہ کہ ان کی شاعری محض شاعری ہی نہیں جو شوق پورا کرنے یا اظہارِ محبت کے لیے کی جاتی ہے۔"(۷)

ابرِ نیساں: احسان دانش

احسان دانش اردو ادب کے افق کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں، جو اپنی پوری آب و تاب سے چمکتے ہیں اور آنے والے وقتوں میں بھی ادب کے افق کو روشن کرتے رہیں گے۔ انہوں نے شاعری کا آغاز مزدور کے حقوق، عام انسان کی زندگی کے مسائل اور سماجی ناانصافیوں کی عکاسی سے کیا، اور اپنی سچائی، حق گوئی، خوش الحانی اور بھرپور تاثرات کی بدولت جلد ہی اردو ادب کے معروف اور معتبر شعراء میں شمار ہونے لگے۔ احسان دانش نے سب سے زیادہ تو نظم پر کام کیا اور اردو ادب کے خزانے میں ایسی بے مثال اور منفرد نظمیں شامل کیں، جن کی ہم پُراثر مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔

جب انہوں نے حمد و نعت پر قلم اٹھایا، تو ان کا کلام محض شاعری نہیں بلکہ عقیدت، محبت اور عشقِ محمدی ﷺ کی گہری کیفیات سے لبریز تھا۔ ہر شعر میں عشق و عقیدت کی حرارت محسوس ہوتی ہے، جو پڑھنے والے کے قلب میں ولولہ اور روح میں جذبہ پیدا کرتی ہے، اور آنکھوں میں عقیدت کی نمی جھلکنے لگتی ہے۔ ان کے کلام میں نہ صرف ادبی حسن بلکہ روحانی اور معنوی گہرائی بھی موجود ہے، جو قاری کو ہر لمحے سوچنے، محسوس کرنے اور عشقِ الٰہی میں ڈوبنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

اس طرح احسان دانش کی شاعری ایک مکمل ادبی تجربہ ہے، جو فن، جمالیات اور روحانیت کے حسین امتزاج سے قائم ہے۔ ان کا کلام اردو ادب کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے، جو نہ صرف ادب کے ذوق کو وسعت دیتا ہے بلکہ پڑھنے والے کے دل و دماغ اور روح پر بھی دیرپا اثر چھوڑتا ہے، اور ہر دور میں اسے ادب اور عشقِ حقیقی کے معیار کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔
اسعدی نے نہایت جامع تبصرہ آپ کی کتاب ابرِ نیساں پر قلم بند فرمایا جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

> ”احسان دانش گداز قلب حساس طبع، غریبوں کے ہمدرد اور استحصالی طبقہ کے خلاف جذبات رکھنے والے شخص تھے، انہوں نے جو کچھ لکھا خلوص نیّت سے لکھا، یہ ہی مزاج جب حمد و نعت کی طرف راغب ہوا تو عقیدت و سپردگی میں ڈھل کر ایسا مقام حاصل کر گیا کہ ابرِ نیساں جیسی تصنیف منظر عام پر آئی۔
> احسان دانش کی نعتیہ شاعری کسی صاحب دل کی عقیدتوں سے سرشار بندگی کے شعور سے مملو واردات قلبی کا درجہ رکھتی ہے۔ جسے آنسوؤں کی نمی نے ایسی تازگی و شادابی بخشی ہے۔ جو سننے اور پڑھنے والوں کے قلوب میں گرمی اور گداز پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
> احسان دانش کی نعتیہ شاعری دیوانگان عشق کی روداد عشق ہے۔ جس میں ساز بھی ہے سوز بھی ہے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے (آمین)
> کتاب مرحوم کی زندگی میں تو نہ چھپ سکی بعد میں یہ کارِ خیر ان کے صاحبزادے ڈاکٹر فیضان دانش نے انجام دیا۔ کتاب بڑے اہتمام اور حسن کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔(۸)

تجلّی: حسین سحر

پروفیسر حسین سحر شعبہ تدریس سے وابستہ ایک معتبر، صاحبِ علم اور باصلاحیت ادیب و شاعر ہیں۔ ان کی زبان و بیان پر قدرت کے ساتھ ساتھ اعتماد اور مہارت بھی نمایاں ہے، جو ان کے کلام میں صاف جھلکتی ہے۔ ان کی کتاب ایک خالص دینی و مذہبی مجموعہ ہے، جو دنیاداری کی چمک دمک اور غیر ضروری اغیار سے پاک ہے۔
یہ کتاب بنیادی طور پر نعتوں پر مشتمل ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ حمدیہ کلام، منقبتیں اور سلام بھی شامل ہیں، جو مجموعے کی فنی وسعت اور معنوی گہرائی کو بڑھاتے ہیں۔ شاعر کی یہ کاوش نہ صرف فنی اعتبار سے کامیاب اور عمدہ ہے بلکہ عقیدت و محبت اور روحانی احساسات کی مکمل عکاسی بھی کرتی ہے۔ اس مجموعے سے قاری کو نہ صرف ادبی لطف حاصل ہوتا ہے بلکہ دل و دماغ میں روحانی سکون اور عشقِ الٰہی کے جذبات بھی پروان چڑھتے ہیں، جو پروفیسر حسین سحر کی ادبی و روحانی مہارت کا بہترین مظہر ہے۔ اسعدی ان کی کتاب "تجلّی" کے بارے رقمطراز ہیں:

> ”پچھلے دنوں پروفیسر حسین سحر کی "تجلّی" کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے خود ہی دینی شاعری کہا ہے۔ کتاب میں زیادہ تعداد نعتوں کی ہے

شروع میں اور عدد کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی حمدیں ہیں، کچھ منقبتیں اور کافی تعداد میں سلام اس اعتبار سے بھی خالصتاً یہ دینی کتاب ہے کہ اس میں دنیا شامل ہی نہیں۔ تجلّی ایک ایسی کتاب ہے جو مروجہ اصولوں سے ہٹ کر بغیر کسی تمہید، تفریظ، مقدرمہ یا دیباچہ کے اچانک شروع ہو جاتی ہے۔ جس سحر نے اس تکلف سے خود کو یکسر پاک رکھا ہے یہ اپنے متعلق کچھ لکھانہ کسی دوسرے سے لکھوایا حتی کے اپنا بایوڈیٹا تک پیش نہیں کیا، دراصل ا س کی ضرورت بھی نہ تھی۔ ان کی یہ خود اعتمادی مجھے بہت اچھی لگی انہوں نے جو کچھ کہا اسے جمع کیا اور قارئین کے سامنے کے سامنے پیش کر دیا۔ مقدمے اور تفریظ اپنی بہت سی خوبیوں کے باوجود ایک کمزور پہلو بھی رکھتے ہیں۔ قاری کو دوسروں کی رائے کی روشنی میں مطالعہ کی پیش کش زبردستی کلام اور صاحب کلام کی تعریف و توصیف پر اکسانے اور مجبور کرنے کا عمل ہے جو میری رائے میں کسی طرح پسندیدہ نہیں۔
جس سحر کی تجلّی آنے والی کتابوں کے مصنفین کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔ اگر لوگ اس اقدام کو مستحسن قرار دینے کی جرات کر سکیں۔"(۹)

"احترام": کالی داس گپتا رضا

کالی داس گپتا بھارت کے مشہور شاعر ہیں، جو حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ باوجود غیر مسلم ہونے کے، وہ ثنا مصطفےٰ ﷺ کے قرب سے خود کو دور نہیں رکھ سکے۔ ذاتِ محمدی ﷺ کی عظمت ایسی ہے کہ اس کی مدح وستائش میں نہ صرف اپنے بلکہ غیر مخلوق بھی شریک محسوس ہوتے ہیں۔ کالی داس گپتا انہی خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے قلب کو نورِ رسالت ﷺ سے روشنی حاصل ہوئی اور جنہوں نے اس روشنی کو اپنی شاعری میں محسوس کیا۔

اگرچہ ان کی بد قسمتی یہ رہی کہ وہ سلام کی آغوش میں شامل نہ ہو سکے، مگر اس کے باوجود انہوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ، پاکیزہ کردار اور بلند مقام کی بھرپور تحسین اور تصدیق کی۔ ان کا یہ عشق وعقیدت کا اظہار ثابت کرتا ہے کہ حقیقی محبتِ رسول ﷺ کسی مذہبی یا لسانی حدبندیوں میں محصور نہیں رہتی، بلکہ دل و جان کی سچائی اور جذبہ ایمان کی بنیاد پر ہر انسان تک پہنچ سکتی ہے۔ اسعدی ان کی کتاب کے بارے میں یوں رقمطراز ہے:

"کالی داس گپتا رضا کی یہ تصنیف صرف ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جو بھارت کے شہر ممبئ سے شائع ہو کر پاکستان تک پہنچی۔ اس کتاب میں چند رباعیاں، کچھ قطعات اور چند نعتیں شامل ہیں جو سب کی سب انتہائے عقیدت کا مظہر ہیں اور شاعری کی پختہ گوئی کی اچھی دلیل بھی فراہم کرتی ہیں بقول مصنف اس کتاب کا بہت سا کلام ان کی کتاب اجالے میں جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی چھپ چکا ہے اس اعتبار سے احترام کو باب رسالت کا دوسرا

ایڈیشن سمجھنا چاہیے۔ جو کچھ اضافوں کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ بڑی حیرت اور مسرت کی بات ہے کہ برصغیر پاک وہند کے غیر مسلموں نے جس میں کثیر تعداد اہل نہود کی ہے آقائے دوجہاں کی خدمت میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ ہندو شعراء نے اتنی نعتیں کہی ہیں کہ اب تک نہ جانے کتنے گلدستے مرتب ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔"(۱۰)

مدحت کے چراغ: قمر وارثی

قمر وارثی رسولؐ سے وابستگی کے اور اپنی فطری اور خداداد صلاحیتوں کے سبب اردو ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ غالب کی طرح آپ بھی وقت پسند طبیعت کے مالک ہیں اور ہمیشہ الفاظ کے ساتھ مشکل بحر واوزان کا انتخاب کرتے ہیں اور خود کو اتنی مشکل دائروں میں رکھ کر بھی نہایت خوبصورتی سے مدعا بیان کرتے ہیں۔ مدحت کے چراغ امتیاز راہی کی نعتیہ کتاب ہے جو کہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی اور اس کی اشاعت کا ذمہ جناب قمر وارثی نے لیا اور نہایت خوبصورتی سے اس وعدے کو پورا بھی کیا۔ قمر وارثی کی طرح امتیاز راہی بھی مشکل میدان کا انتخاب کیا اور نہایت خوبصوری انداز میں مدحت رسولؐ کو بیان کیا۔

"دبستان وارثیہ" قمر وارثی کی کاوشوں کے نتیجے میں علم وادب کے میدان میں ایک اہم نام بنتا جا رہا ہے، قمر وارثی کی وقت پسند طبیعت نے ہمیشہ اظہار بیان کا مشکل سے مشکل تر رویہ اختیار کیا۔ ان کی قادرالکلامی نے اس منزل دشوار کو آسان کر دکھایا۔ ان کی محنت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس طرح لکھنے والوں کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا جس میں مشّاق شاعروں نے طرح طرح کے کارنامے انجام دیئے۔ اور نو مشقوں نے مشق کی طرف توجہ کی۔ قمر وارثی نے مرحوم سے کئے گئے وعدے کو نبھاتے ہوئے کتاب کو بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے۔ "مدحت کے چراغ" کے مطالعے سے امیاز راہی کی قوت شعری کا اندازہ ہوتا ہے۔ سنگلاخ زمینوں اور مشکل قافیہ وردیف کے ساتھ جتنے رواں مصرعے راہی نے لکھ دیئے وہ ہر ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہ امتیاز راہی کی حضورؐ پر نور سے نیاز مندانہ عقیدت کا ہی کرشمہ ہے کہ ان کے کلام کا ایک ایک مصرعہ تکلف اور آورد سے پاک ہے۔
میری دعا ہے کہ دنیا میں امتیاز راہی کا خیال رکھنے والے آقاؐ مولاؐ عاقبت میں بھی اس کا خیال رکھیں۔ (آمین)"(۱۱)

"یاسینؐ": سید وحید الحسن ہاشمی

سید وحید الحسن ہاشمی صاحب نے اپنے نعتیہ مجموعہ کے لئے کیا خوبصورت صفاتی نام محمدیؐ کا انتخاب کیا اور آپ ایسا خوبصورت نام کیونکر نہ چنتے کیونکہ آپ نہ صرف بہترین شاعر بلکہ عظیم نثر نگار بھی ہیں۔ نثر نگاری کا بہترین نمونہ کتاب "یاسین" کا پیش لفظ ہے جو

گہری معنویت تحقیق و جستجو، فکر و شعور اور گہری بصیرت اپنے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ بے شمار اوصاف کے باوجود عاجزی وانکساری آپ کی شخصیت کا نہایت اہم پہلو ہے۔ آپ نے اپنے دور کے ہر نعت گو شاعر پر لکھا لیکن خود پر اک لفظ بھی نہیں۔ عاجزی وانکساری کی جو صفت جس حد تک آپ میں موجود تھی۔ اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ آپ نے نہایت پختہ اور عمدہ شاعری کی۔ اور شاعری کے ساتھ ساتھ کمال کی نثر نگاری بھی کی۔ آپ کا لکھا ہر ہر لفظ اپنے اندر گہری بصیرت رکھتا ہے۔ جناب حنیف اسعدی نے نہایت خوبصورت انداز میں آپ کی کتاب پر تبصرہ کھا ہے۔ حنیف اسعدی "یاسین" کے بارے میں یوں رقمطراز ہے کہ:

> "کسی مجموعہ کا نام ہی ان ناموں میں سے ہو جو حضور اقدسؐ نام کہلاتے ہیں وت اس نام کے حسن و جمال کا کیا کہنا۔ اپنے گلدستہ نعت کو یہ نام دینے والے کا نام سید وحید الحسن ہاشمی ہے جو علم کی بلندی اور شعور کے سر فرازی کے باوجود عجز وانکسار کا مجسمہ ہیں۔ صاحب قلب اور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ سید صاحب اپنے برگزیدہ لاکھوں کی فشانی ہیں۔ "یاسینؐ" کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ سید صاحب شاعر کے علاوہ ایک بے مثل نثر نگار بھی ہیں۔
> تحقیق و تنقید، فکر و شعور، معنی آفرینی کے خصائص کے ساتھ ساتھ ان کے اندر قوت بیان کو جوہر بھی موجود ہے وہ بڑی سے بڑی اور گہری سے گہری معنویت کو سہولت سے بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں ایسی سادگی اور لہجے میں ایسا دھیما پن ہے جو بڑے کو اور بھی بڑا بناتا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ ان کے شاعرانہ کمال سے بھی کہیں زیادہ توجہ کا طالب ہے اور وہ ہے ان کا وہ پیش لفظ جسے انہوں نے "فن نعت نگاری" کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔ ۵۵ صفحات پر پھیلا ہوا یہ نثر پارہ ہاشمی صاحب کے تبحر علمی اور گہری بصیرت کا واضح ثبوت ہے۔ ان کا قلم بھی انہی کی طرح حق گو اور غیر جانب دار ہے۔ انہوں نے اس عہد کے ہر اچھے نعت گو کا تذکر خیر الانامہ کیا ہے مگر اپنے متعلق ایک فقرہ بھی نہیں لکھا۔" (۱۲)

حنیف اسعدی بحیثیتِ نقاد اردو ادب میں ایک متوازن، سنجیدہ اور باوقار آواز کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اُن کی تنقید نہ محض نظری مباحث تک محدود رہتی ہے اور نہ ہی سطحی تاثرات پر اکتفا کرتی ہے، بلکہ وہ تخلیق کے فنی، فکری اور تہذیبی پہلوؤں کو یکجا کر کے معنی خیز تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ حنیف اسعدی کا نقادانہ رویہ تعصب سے پاک، دلیل سے مزین اور ادب کی داخلی روح سے ہم آہنگ ہے، جو قاری کو نہ صرف متن کی گہرائیوں تک لے جاتا ہے بلکہ تنقید کے وقار اور افادیت کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ یوں وہ اردو تنقید میں ایک معتبر اور قابلِ اعتماد نقاد کے طور پر اپنی شناخت قائم کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ صبیح رحمانی (مدیر): "نعت رنگ" (شمارہ ۹)، اقلیم نعت کراچی، مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۴

۲۔ ایضاً، ص ۱۷۷

۳۔ ایضاً، ص ۱۷۸

۴۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۵۔ ایضاً، ص ۱۷۵

۶۔ ایضاً، ص ۱۷۹

۷۔ ایضاً، ص ۱۸۰

۸۔ ایضاً، ص ۱۸۱

۹۔ صبیح رحمانی (مدیر): "نعت رنگ" شمارہ ۸، فضلی سنز کراچی، ستمبر ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۳۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۴۰

References:

1. Sabeeh Rahmani (ed.), *Naat Rang*, no. 9 (Karachi: Iqlim-e-Naat, March 2000), p. 174.
2. Ibid, p. 177.
3. Ibid, p. 178.
4. Ibid, p. 183.
5. Ibid, p. 175.
6. Ibid, p. 179.
7. Ibid, p. 180.
8. Ibid, p. 181.
9. Sabeeh Rahmani (ed.), *Naat Rang*, no. 8 (Karachi: Fazli Sons, September 1999), p.236.
10. Ibid, p. 237.
11. Ibid, p. 240.